نظرات

۱۹۵۲ء سے کچھ دن پہلے آر ایس ایس نے پارلیمانی سیاست میں بالواسطہ حصہ لینے کی غرض سے ایک سیاسی پارٹی جن سنگھ کے نام سے بنائی اور اس کی صدارت کے لئے شیاما پرشاد مکرجی کو منتخب کیا جو جواہر لال نہرو کی حکومت میں ایک وزیر تھے۔ انھوں نے وزارت سے استعفیٰ دے کر جن سنگھ کی نوتشکیل پارٹی کو منظم کرنے کا کام ہاتھ میں لیا تو پورا ملک جن سنگھ کے احیائی مقاصد پر اٹھنے والی گرما گرم بحثوں سے گونج اٹھا۔

جن سنگھ کے اس زمانے کے مقاصد میں پارلیمانی ڈیموکریسی کی تائید اور سیکولر طرز حکومت کی حمایت کے وہ نکات شامل نہیں تھے، جو آج بی جے پی کے اغراض و مقاصد میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، اس کے برعکس وہ ہندوستان میں ہندو حکومت کی کھلی علم بردار تھی اور ساورکر کا مشہور اقلیتی فلسفہ پیش کر رہی تھی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہندوستان ایک مکان ہے تو ہندوؤں کی حیثیت یہاں ایک مکان مالک کی ہے، اور غیر ہندو قومیں اس میں کرایہ دار بن کر تو رہ سکتی ہیں، مکان کی ملکیت کی دعویدار ہرگز نہیں بن سکتیں۔

وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں نے اپنا حصہ الگ کر کے، باقی ہندوستان میں اپنا استحقاق کھو دیا ہے اس لئے وہ یہاں کسی طرح کے حقوق کا مطالبہ نہیں کر سکتے ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا ہے تو وہ ہندوؤں کی برتری اور ہندو تہذیب کی بالادستی تسلیم کر کے ہی ہندوستان میں رہ سکتے ہیں، ان کا کہنا تھا کہ مسلم پرسنل لاء کے تحفظ اور مسلمانوں کے کسی خصوصی مطالبہ اب ہندوستان میں نہیں چلے گا، نہ ہی ہندوستان سے باہر کے ہیرو اور مشہور شخصیتوں سے اپنا سلسلہ نسب یا رشتہ نسبی ملانے کی مسلمانوں کی کوشش برداشت کی جائے گی۔

حالانکہ ان تمام آوازوں اور نعروں میں نئی کوئی بات نہیں تھی، کیونکہ ان ہی نظریات د[illegible]

[illegible] کا تبلیغ آر ایس ایس کے مبلغوں [illegible] مجلس [illegible]

سکتے رہتے تھے اور ڈاکٹر ہیڈگوار سے لے کر گرو گول والکر تک کی دو نسلیں، پورے ہندستان میں آر ایس ایس کے رضاکاروں کی تربیت و تعلیم میں گذر چکی تھیں، یہاں تک کہ گرو گول والکر کے بنیادی خیالات کی حامل ان کی کتاب "اے بنچ آف تھاٹ" بھی شائع ہو چکی تھی، جس میں انہوں نے ہندستان کی سیکولر حکومت کو ہندوؤں کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی قرار دیا تھا، اور ہندستان کو ایسے چھوٹے پاکستانوں کا مجموعہ قرار دیا تھا، جس میں مسلمانوں کی اکثریت کا چھوٹے سے چھوٹا محلہ ایک پاکستان کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود کہ ان خیالات کی ترویج خفیہ طور پر ایک چوتھائی صدی تک کی جاتی رہی تھی، سیاسی حلقوں میں جن سنگھ کی وساطت سے کھلے طور پر ان خیالات کی علم برداری اس زمانے میں ایک نئی بات تھی، اس لئے قدرتی طور پر وہ فضا ایک ہلچل سے دوچار ہو گئی جو آزادی کے بعد، خصوصاً گاندھی جی کے بے رحمانہ قتل کے بعد سے جس کا ذمہ دار آر ایس ایس کو قرار دیا گیا تھا، سیکولر نظریات کی پاسداری کی آوازوں سے بھرپور تھی۔

جواہر لال نہرو نے اس احیاء پسند تحریک کے خلاف بڑے غم و غصہ اور جوش و خروش کا اظہار کیا جو جن سنگھ کی وساطت سے پورے ملک میں شروع ہو گئی تھی۔ اور جس کے بارے میں آر ایس ایس کے لیڈروں کا خیال تھا کہ اس تحریک کو سیاسی اسٹیج اور عوامی سطح پر اٹھانے کا وقت سازگار ہو چکا ہے۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ آر ایس ایس کا اندازہ صحیح تھا کیونکہ رفتہ رفتہ احیاء پسندی کا رجحان اتنی تیز رفتاری کے ساتھ سیاسی اور تنظیمی حلقوں میں داخل ہوا کہ کوئی جماعت نظریاتی حد بندی برقرار رکھنے پر قادر نہ ہو سکی اور اس کے بعد ہندوستان کی قومی سیاست جن جھٹکوں اور تبدیلیوں سے دوچار ہوئی، اس میں فرقہ وارانہ جارحیت، سیاسی سطح کے علاوہ سرکاری ملازموں اور نظم و ضبط کے ذمہ دار پولیس اور انتظامیہ کے اداروں میں بھی سرایت کر گئی اور اس کا زور یہاں تک بڑھا کہ آج قومی حکومت اور سیکولر نظریات کی علم بردار بھی سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بے بس اور کمزور محسوس کر رہی ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان پر ہندوؤں کی برتری ثابت کرنے والی، جتنی بھی تحریکیں اس وقت ملک میں چل رہی ہیں، ان کا نظریاتی سرچشمہ، وہی آر ایس ایس کا فلسفہ ہے جو ملک میں ہندو ملکیت، ہندو تہذیب، ہندی زبان، اور ہندو روایتوں کے غلبہ کے کھلے مقاصد کا علم بردار ہے۔ اسے تاریخی حقائق، مشترکہ ورثہ اور مخلوط تہذیب کے اس عظیم الشان اثاثہ سے کوئی دلچسپی